وزیراعلیٰ پنجاب سے ملاقات اور علماء دیوبند کا موقف

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

گزشتہ دنوں وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کے ساتھ علماء دیوبند کے ایک نمائندہ وفد کے ہمراہ ملاقات اور گفتگو کا موقع ملا، اس ملاقات کی روداد اور گفتگو کی تفصیلات قارئین کی اطلاع کے لئے پیش خدمت ہیں تاکہ ریکارڈ رہے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی شہادت کے بعد پورے ملک میں بالعموم اور پنجاب میں بالخصوص اس بات کا خطرہ محسوس کیا جارہا تھا (ابھی بھی ان خطرات کے بادل پوری طرح چھٹے نہیں ہیں) اور خدشہ تھا کہ اس حادثے کے نتیجے میں کہیں دیوبند بریلوی تنازع نہ شروع ہوجائے۔ اس لئے وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے ہردو مکاتب فکر کو قریب لانے، ان کے گلے شکوے دور کرنے اور دونوں مکاتب فکر کا نقطہ نظر سننے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ 20 جون کی شام کو وزیراعلیٰ نے بریلوی علماء کرام کے ساتھ تفصیلی میٹنگ کی اور 21 جون کو علماءِ دیوبند کے نمائندہ وفد سے تقریباً تین گھنٹے کی تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر حکومت پنجاب کی طرف سے سینئر مشیر سردار ذوالفقار کھوسہ، رانا ثناء اللہ وزیر قانون، راجہ اشفاق سرور، آئی جی، ہوم سیکریٹری اور دیگر اعلیٰ افسران موجود تھے جبکہ ہمارے وفد میں مولانا حافظ فضل الرحیم جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا الیاس چینوٹی ایم پی اے، قاری احمد میاں تھانوی، مولانا امجد خان اور دیگر علماءِ کرام شامل تھے۔

وزیراعلیٰ پنجاب نے اپنی ابتدائی گفتگو میں اس ملاقات کی ضرورت اور مقاصد پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ میرا آپ حضرات سے پہلے بھی علیحدہ ملنے کا ارادہ تھا لیکن بوجوہ نہیں مل سکا، آپ اہل علم حضرات ہیں ہم آپ سے رہنمائی اور تعاون کے طلبگار ہیں اور آپ کے قیمتی مشوروں کے قدردان۔ اس لئے آپ حضرات کو زحمت دی ہے پھر انہوں نے اپنی گفتگو میں علماءِ دیوبند کی تحریک پاکستان میں خدمات کا بہت اچھے انداز سے تذکرہ کیا اور کہا کہ مسلمانان برصغیر کی اس کامیابی میں علماء کا بڑا حصہ ہے، یہی وجہ ہے کہ پہلی پرچم کشائی علماءِ دیوبند نے کی۔ اس کے ساتھ ساتھ

وزیراعلیٰ پنجاب نے موجودہ ملکی حالات اور علماء پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے حوالے سے بھی کھل کر گفتگو کی۔

جب ان کی گفتگو مکمل ہوئی تو انہوں نے ہمیں بات کرنے کی دعوت دی اس موقع پر تمام علماءِ کرام نے متفقہ طور پر مجھے نامزد کرتے ہوئے کہا کہ محمد حنیف جالندھری ہمارا موقف پیش کریں گے۔ علماءِ کرام کے اس اعتماد اور حسن ظن کے اظہار کے بعد میں نے اپنی گفتگو شروع کی۔ سب سے پہلے میں نے وزیراعلیٰ اور ان کے رفقاء کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا کہ ہم کھل کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکیں۔ پھر میں نے مختصراً علماء دیوبند کے تحریک پاکستان میں کردار و خدمات اور تعارف پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس وقت آپ جن لوگوں کے درمیان موجود ہیں ان کے اکابر کا برصغیر کی آزادی میں بڑا کردار رہا ہے۔ ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے برصغیر سے انگریز کا بوریا بستر گول کرنے کی خاطر بڑی قربانیاں دیں، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، برصغیر کی آزادی میں علماءِ دیوبند کا سب سے بڑا حصہ ہے اس کے بعد قیام پاکستان کی تحریک میں بھی علماءِ دیوبند نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکیم الامت، مجدد الملۃ والدین حضرت مولانا محمد اشرف تھانویؒ نے نہ صرف یہ کہ تحریک پاکستان میں شرکت کا فتویٰ دیا بلکہ اپنے تمام متعلقین، متوسلین اور معتقدین کو تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا حکم بھی دیا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح سے کسی نے کہا کہ آپ کے ساتھ کوئی عالم بھی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے ساتھ ایک عالم یعنی مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسے ہیں کہ اگر ان کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں تمام علماء کا علم و فضل رکھ دیا جائے تو حضرت تھانویؒ والے پلڑے کا وزن بڑھ جائے گا۔ صرف حضرت تھانوی ہی نہیں بلکہ دیگر علماءِ کرام مثلاً علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ سب علماءِ دیوبند ہی تھے جنہوں نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کبھی کامیاب نہ ہوتے اگر مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی شہر شہر اور گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو قیام پاکستان اور الحاق پاکستان کے حق میں ووٹ دینے پر آمادہ نہ کرتے۔ قائداعظمؒ نے پہلی مرتبہ مغربی اور مشرقی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں پر پرچم کشائی کروا کر گویا یہ اعتراف اور اعلان کیا کہ اگر انہیں علماءِ دیوبند کا تعاون اور سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو پاکستان کبھی معرض وجود میں نہ آتا۔

علماءِ دیوبند کی خدمات صرف قیام پاکستان تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ انہوں نے بعد میں بھی اس ملک و ملت کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ پاکستان کا کوئی آئین نہیں تھا، اس ملک کو ایک آئین اور دستاویز کی ضرورت تھی۔ علماءِ دیوبند نے کراچی میں اجلاس بلایا جس میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی، اس اجلاس کا داعی یہی مکتب فکر تھا لیکن علماءِ دیوبند نے اپنے روایتی اعتدال سے کام لیتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے چوٹی کے علماء کو بلایا۔ یوں ان حضرات نے

پاکستان کو دستوری بنیاد مہیا کی، اس ملک کو شاہراہِ دستور پر بھی علماء دیوبند نے ڈالا، میرے دادا مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے قرارداد مقاصد پر دستخط موجود ہیں اور وہ تحریک پاکستان میں بھی شامل تھے۔ میرے ساتھ مولانا حافظ فضل الرحیم تشریف فرما ہیں ان کے والد مفتی محمد حسن امرتسریؒ تحریک پاکستان کے سرکردہ رہنماؤں میں سے تھے۔ الغرض قیام پاکستان سے لے کر استحکام پاکستان کے پورے سفر میں علماءِ دیوبند کا کلیدی اور قائدانہ کردار رہا ہے۔ ماضی قریب میں جب سوویت یونین افغانستان پر حملہ آور ہوا اور ہمیں یہ بتایا گیا کہ ان کا مقصد افغانستان کے پہاڑ نہیں بلکہ ان کی نظر ہمارے گرم پانیوں پر ہے اس لئے افغان جنگ دراصل دفاعِ پاکستان کی جنگ ہے اس وقت جن لوگوں نے وطن عزیز کے لئے جانیں دیں وہ بھی علماءِ دیوبند ہی کے خوشہ چین تھے۔ وہ کشمیر جسے قائد اعظمؒ نے پاکستان کی شہ رگ کہا تھا اس میں جہاد بھی اسی مکاتب فکر کے لوگ کر رہے ہیں۔ آج اگر 8 ہزار فٹ کی بلندی پر پاک فوج کا کوئی سپاہی کھڑا ہے تو علماءِ دیوبند سے وابستہ لوگ 10 ہزار فٹ کی بلندی پر اس ملک کے لئے پہرہ دے رہے ہیں۔

اس پوری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ یہ ملک ہم نے بنایا ہے اور اس کی سلامتی، بقاء اور تحفظ ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

جناب وزیر اعلیٰ! آیئے اب حالاتِ حاضرہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ حالیہ سوات آپریشن کے بارے میں دو موقف سامنے آئے ہیں ایک موقف تو یہ ہے کہ آپریشن بالکل درست ہے اور یہ آخری عسکریت پسند کے خاتمے تک جاری رہنا چاہئے جبکہ دوسرا موقف یہ ہے کہ آپریشن مسائل کا حل نہیں بلکہ یہ مزید مسائل کو جنم دے گا۔ اس لئے آپریشن کی جگہ مذاکرات ہونے چاہئیں اور ٹارگٹ کلنگ بند ہونی چاہئے۔ ہماری ایجنسیاں اتنی صلاحیت رکھتی ہیں کہ وہ جرائم پیشہ عناصر اور غیر ملکی ایجنٹوں کی نشاندہی کر سکیں اور انہیں عام عسکریت پسندوں سے ممتاز کر سکیں، شناخت کئے بغیر اندھا دھند آپریشن میں بے گناہ اور لاتعلق لوگ نشانہ بنتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت اس آپریشن کے نتیجے میں ہوئی ہے۔ ان کی واپسی ممکن نظر نہیں آتی اور اگر وہ واپس چلے بھی جائیں تو وہاں جا کر فوج کب تک ان کی حفاظت کرتی رہے گی؟ اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک منصوبے اور ایک سازش کے تحت پاکستان کو گوریلا جنگ میں دھکیل دیا گیا ہے۔ عالمی قوتیں اپنے مفادات کی جنگ کو پاکستان میں لے آئی ہیں۔ اس لئے ہماری دیانتدارانہ اور سوچی سمجھی رائے ہے کہ جب تک نیٹو افواج واپس نہیں چلی جاتیں اس وقت تک امن قائم ہونا ممکن نہیں۔ ہم اس سے قبل آپریشن کے کئی تجربات کر چکے ہیں آپریشن ہی کے نتیجے میں ہم مشرقی پاکستان کھو بیٹھے، آپریشن کی وجہ سے آج بلوچستان کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہاں پاکستان کا پرچم لہرانا جرم بن گیا ہے اور اسکولوں میں قومی ترانہ تک پڑھنے کی اجازت نہیں اسی طرح لال مسجد آپریشن کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں ہم نے اس وقت بھی اس آپریشن کو روکنے

اور مفاہمت کروانے کی بھرپور کوشش کی لیکن ان کوششوں کو سبوتاژ کر دیا گیا اور آج ملک سنگین سانحات سے دوچار ہے یہ سب دراصل اسی آپریشن کے نتائج ہیں۔"

پھر میں نے سانحہ لال مسجد کے دوران ہونے والے مذاکرات اور مفاہمت کی کوششوں کا مختصراً تذکرہ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب حکومت پنجاب کے ذمہ داران نے ان مذاکرات کی تفصیل کو سنا۔ ان مذاکرات میں حکومتی ٹیم میں چوہدری شجاعت حسین، اعجاز الحق، طارق عظیم، محمد علی درانی وغیرہ تھے جبکہ وفاق المدارس کی طرف سے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی کی سربراہی میں ملک کے جید علماءِ کرام اور وفاق المدارس کی اعلیٰ قیادت شریک تھی۔ اس موقع پر یہ طے ہوگیا تھا کہ مولانا عبدالرشید غازی شہیدؒ اور مولانا عبدالعزیز اپنے اہل خانہ، ساز وسامان، لائسنسی اسلحہ سمیت اپنے آبائی گاؤں روجھان ضلع راجن پور چلے جائیں گے۔ جامعہ حفصہ و جامعہ فریدیہ عارضی طور پر "وفاق المدارس" کے حوالے کر دیئے جائیں گے اور لال مسجد کی خطابت کا فیصلہ اسلام آباد انتظامیہ مقامی علماء کرام اور وفاق المدارس کے مشورے سے کرے گی۔ تمام بچیوں کو حاجی کیمپ لے جا کر والدین کے حوالے کر دیا جائے گا۔ مسجد میں جو لوگ موجود ہیں انہیں اسپورٹس کمپلیکس لے کر جائیں گے جن پر لالہ مسجد کے قضیے کے علاوہ کوئی مقدمہ ہوگا اس کے خلاف ملکی قانون کے مطابق کارروائی ہوگی اور باقی کو رہا کر دیا جائے گا۔

مذاکرات کے اس پورے سلسلے میں "وفاق المدارس" ثالث تھا، مولانا غازیؒ سے مشورہ ہوتا رہا۔ پہلے حکومتی ٹیم کا یہ کہنا تھا کہ ہم فل مینڈیٹ لے کر آئے ہیں لیکن جب سب کچھ طے ہوگیا تو انہوں نے کہا کہ ہم مشرف سے منظوری لینا چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ آپ تو کہہ رہے تھے کہ ہم مکمل طور پر بااختیار ہیں۔ خیر وہ اجازت لینے چلے گئے جب واپس آئے تو سب پریشان تھے اور وہ ایک بالکل نئی تحریر لے کر آگئے اور کہنے لگے کہ صدر نے اس معاہدے کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ نئے معاہدے میں غازی صاحبؒ کی گرفتاری، سب لوگوں کے خلاف کارروائی کی بات کی گئی تھی جس سے سارا معاملہ بگڑ گیا۔ غازی صاحبؒ اور ان کے رفقاء لائبریری، جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ، لال مسجد حتیٰ کہ اسلام آباد بھی چھوڑ رہے تھے، قانون کے حوالے ہو رہے تھے لیکن پرویز مشرف اور ان کے ساتھیوں نے اس کے باوجود ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔

ہم نے غازی صاحبؒ کو جب قائل کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا کہ یہ لوگ جھوٹ بولیں گے اور آپ کے ساتھ دھوکہ کریں گے بعد میں یہی ہوا پھر غازی صاحب کہنے لگے چلیں یہ لوگ ہمیں کل سپریم کورٹ پیش کر دیں سپریم کورٹ جو فیصلہ کرے گی ہمیں تسلیم ہوگا۔ لیکن صدر نے اسے بھی ماننے سے انکار کر دیا پھر ہماری مذاکراتی ٹیم کے ایک معزز رکن نے مولانا غازیؒ کو حکومتی تحریر ماننے پر مجبور کیا تو انہوں نے اسے بھی قبول کر لیا لیکن جب اس تجویز کے سلسلے

میں اوپر رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر لال مسجد والے اس بات میں سچے ہیں تو دو تین عورتوں کو باہر بھیجیں، غازی صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم اس پر بھی تیار ہیں، پھر حکمرانوں نے کہا کہ نہیں دو تین نہیں تیس پینتیس عورتوں کو باہر بھیجیں اس پر غازی صاحبؒ نے آمادگی ظاہر کردی۔ لیکن اس کے باوجود آپریشن کیا گیا اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ پرویز مشرف مجرم ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کررکھی ہے۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان اور میں مدعی ہیں، یہ سب ماورائے عدالت و ماورائے قانون ظلم عظیم ہوا ہے اس لئے ہماری کوشش ہے کہ اس کے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہئے۔

جناب وزیراعلیٰ! میں نے سانحہ لال مسجد کی یہ تفصیل اس لئے آپ کے گوش گزار کی کہ وقت نے ثابت کردیا کہ آپریشن ٹالنے اور معاملے کو مذاکرات اور بات چیت کے ذریعے حل کرنے کے حوالے سے ہمارا موقف اور کوششیں بالکل صائب تھیں اگر اس وقت طاقت کا استعمال نہ کیا جاتا تو آج اس ملک کے یہ حالات نہ ہوتے اور آج ایک مرتبہ پھر ہمارا یہی موقف ہے کہ طاقت کے استعمال کی بجائے مذاکرات اور بات چیت کا راستہ اختیار کیا جائے۔ آپریشن کے حوالے سے یہ دو نقطہ ہائے نظر صرف بریلوی اور دیوبندی طبقات کے درمیان ہی مختلف فیہ نہیں بلکہ خود بریلوی مکتب فکر کے کئی لوگ جن میں مولانا شاہ احمد نورانیؒ کی جمعیت علمائے پاکستان بطور خاص قابل ذکر ہے، وہ بھی ہمارے موقف سے اتفاق کرتے ہیں۔ 14 مئی کی کانفرنس کا اعلامیہ جس کو مرتب کرنے والوں میں خود ڈاکٹر سرفراز نعیمی بھی شامل تھے اس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ آپریشن کو فی الفور بند کیا جائے۔ بلکہ میں عرض کروں کہ یہ اختلاف سیاسی جماعتوں، وکلاء، دانشوروں میں بھی موجود ہے۔ خود مجید نظامی صاحب ''مدیر نوائے وقت'' جن کے ساتھ آپ کا قریبی تعلق ہے اور ان کے ادارے نوائے وقت کی بھی یہی رائے ہے۔ جنگ جیسے بڑے اخبار کے اداریوں میں بھی آپریشن کی بجائے مذاکرات کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ اس لئے ایک ایسا معاملہ جس کے بارے میں تمام طبقات میں اختلاف رائے موجود ہے اسے فرقہ واریت کی بنیاد بنانا قطعاً درست نہیں۔

جناب وزیراعلیٰ! گزشتہ کئی ماہ سے ایک مکتب فکر کے بعض لوگ اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے سوات آپریشن کی آڑ میں ایک مکتب فکر کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ ہمارے اکابر کے بارے میں نازیبا کلمات کہے گئے، ہمیں پاکستان دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، حضرت مدنیؒ جو ہمارے سروں کے تاج اور ہمارے سرخیل ہیں انہیں گالیاں دی گئیں۔ بلاشبہ حضرت مدنیؒ نے قیام پاکستان تجویز سے اختلاف کیا تھا مگر ان کا اختلاف دیانت پر مبنی تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ملک تقسیم نہیں ہوگا بلکہ مسلمان تقسیم ہوجائیں گے اور ہماری طاقت کمزور ہوجائے گی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد انہوں نے پاکستان کو مسجد سے تشبیہ دی اور اس کی حفاظت کو دینی فریضہ قرار دیا۔ اس عظیم ہستی کو گالیاں دی جارہی ہیں۔

جناب وزیر اعلیٰ! ہم جیسے لوگ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے صبر کر لیں گے لیکن ہمارا شاگرد اور ہمارا کارکن کبھی بھی اپنے بزرگوں کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کرے گا یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ پر اگر کوئی تنقید کرے تو ممکن ہے آپ صبر و تحمل سے کام لیں لیکن آپ کا کارکن اسے برداشت نہیں کرے گا۔ آپ نوٹ کر رہے ہوں گے کہ ہم مسلسل صبر کا دامن تھامے ہوئے ہیں، ہم بھی لاکھوں کے اجتماعات منعقد کر سکتے تھے، ہمیں بھی اشتعال انگیز تقریریں آتی ہیں لیکن ہم نے ملک کے موجودہ نازک حالات کو مدنظر رکھا۔ ہمارے نوجوان تقاضا بلکہ اصرار کرتے رہے کہ اس مہم کا جواب دیا جائے ہم نے انہیں بھی صبر کی تلقین کی، ہم نے جواب تک نہیں دیا ہم نے میڈیا والوں کے سوالات کے جواب میں بھی یہی کہا کہ اگر ہمیں گالی بھی دی جائے گی تو ہم اس کا جواب نہیں دیں گے کیونکہ اگر ہم نے جواب دے دیا تو پھر ان میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

جناب وزیر اعلیٰ! آپ ایوان اقبال لاہور، کنونشن سینٹر اسلام آباد، فیصل آباد، ملتان اور کراچی کے جلسوں کی رپورٹیں منگوا لیجئے، ایجنسیوں کی ڈائریاں پڑھ لیجئے اور آڈیو ویڈیو منگوا کر دیکھ اور سن لیجئے تمام حقائق آپ کے سامنے آجائیں گے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ ایسے لوگ جو صوبائی حکومت کے مناصب پر فائز ہیں جب وہ اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، آپ کے پارٹی ٹکٹ پر جیتنے والے اس تحریک میں پیش پیش نظر آتے ہیں تو بجا طور پر یہ سوالات جنم لیتے ہیں کہ کہیں حکومت پنجاب تو اس مہم کی پشت پناہی نہیں کر رہی؟ کہیں حکومت کی طرف سے تو وسائل مہیا نہیں کئے جا رہے؟ آپ کی چھتری تلے کھڑے کچھ لوگوں کی سرگرمیوں سے ان شبہات کو تقویت ملتی ہے۔ اس لئے ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ اپنے آپ پر کسی ایک مسلک کی چھاپ نہ لگوائیں بلکہ اپنی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سب کے ساتھ برابری کا برتاؤ کریں۔ ہم صرف اس ملک کے ہی خیر خواہ نہیں بلکہ آپ کے بھی خیر خواہ ہیں۔

جہاں تک ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی شہادت کا تعلق ہے اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ ہم نے ڈاکٹر صاحب کے قتل کی کھل کر مذمت کی، اسے ملک کا نقصان قرار دیا۔ آج ہی یہاں آنے سے قبل ہم ایک بڑا وفد لے کر ان کے ادارے میں تعزیت کے لئے گئے، آج شام اتحاد تنظیمات مدارس کا اجلاس ہے۔ اس میں بھی اس سانحہ کی مشترکہ طور پر مذمت کی جائے گی بلکہ اس سے قبل مولانا حسن جان شہید ہوئے ان لوگوں نے ہمارے ساتھ نہ تعزیت کی نہ ہی اخباری بیان دیا۔

پھر میں نے محترم وزیر اعلیٰ سے چند مزید گلے شکوے کیے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے گزشتہ دنوں عربی ٹیچر کے لئے صرف بی۔اے عربی کی ڈگری کے حاملین کے لئے نوٹیفکیشن جاری کیا بعد ازاں آپ نے ڈاکٹر سرفراز نعیمی کے مطالبے پر تنظیم المدارس کی سند کے حاملین کے حق میں بھی آرڈر جاری کیا۔ میں نے اس صورتحال پر آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی،

دیوبندی، اہلحدیث، جماعت اسلامی وغیرہ اور لاکھوں طلباء کے حقوق کے لئے خطوط لکھے، فیکس کئے اور فون کئے لیکن جواب تک نہیں دیا گیا۔ اگرچہ بعد میں نوٹیفکیشن جاری ہوگیا لیکن ہمارے سینکڑوں فضلاء محروم رہ گئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ کو اطلاع دیئے بغیر ہوا۔ اس پر وزیراعلیٰ نے سخت نوٹس لیا۔ خطوط اور فیکس کا جواب نہ دینے پر انکوائری کرانے کا وعدہ کیا اور کہا کہ ازسرنو اسامیوں کو مشتہر کیا جائے گا اور تمام مکاتب فکر کے شہادت العالمیہ کے حاملین کو موقع دیا جائے گا۔

ہم نے محترم وزیراعلیٰ سے یہ گزارش بھی کی کہ ہر مکتب فکر کے علماءِ کرام سے ملاقات اور مشاورت کے لئے اسی مکتب فکر سے ہی فہرست طلب کی جائے کیونکہ ہر مکتب فکر ہی زیادہ بہتر سمجھتا ہے کہ کونسی شخصیات ہماری نمائندگی کرسکتی ہے۔

آخر میں وزیراعلیٰ نے میری گفتگو کو سراہا اور کہا کہ پہلی مرتبہ یہ سب باتیں میرے علم میں آئی ہیں اس لئے آئندہ ان شاءاللہ میں کوشش کروں گا کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ ملاقات کے اختتام پر مذاکرات اور ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھنے پر اتفاق کیا گیا تاکہ موجودہ تلخی کو کم کیا جاسکے۔

جنوبی پنجاب کے مدارس کے خلاف خطرناک سازش:

یوں تو دینی مدارس کے بارے میں ہمیشہ ہی منفی پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے، مدارس دینیہ کی خدمات، دینی مدارس کے اساتذہ وطلباء کی صفات اور دینی مدارس کی ضرورت واہمیت سے چشم پوشی کرتے ہوئے مدارس کی خامیوں اور کمزوریوں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ ایسی چیزیں جن کا مدارس کے ساتھ سرے سے تعلق ہی نہیں، انہیں بھی دینی مدارس کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے، ایسے واقعات جن کی نسبت دینی مدارس کی طرف کی ہی نہیں جاسکتی ان کے ڈانڈے بھی مدارس سے جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اگر خدانخواستہ کبھی مدارس یا اہل مدارس کی کوئی معمولی سی کمزوری یا غلطی سامنے آجائے تو آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے اور اس کو رائی کا پہاڑ بنا لیا جاتا ہے۔

مدارس کے خلاف پراپیگنڈہ تو معمول کی بات تھی لیکن ان دنوں اس خلافِ حقیقت پراپیگنڈہ میں بے تحاشہ اضافہ ہوچکا ہے۔ آپ جنوبی پنجاب کے مدارس کے بارے میں پراپیگنڈہ کے معاملے کو دیکھ لیجئے، سب سے پہلے یہ آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں کہ جنوبی پنجاب کے دہشت گرد افغانستان میں قبائلی علاقوں میں برسرپیکار ہیں پھر بتدریج یہ بیانات اس رخ پر آنا شروع ہوئے کہ قبائلی علاقوں سے عسکریت پسندوں نے بھاگ کر جنوبی پنجاب میں پناہ لے لی ہے اور جنوبی پنجاب کو اپنا مسکن بنالیا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ شگوفہ چھوڑا جانے لگا کہ جنوبی پنجاب کے دینی مدارس عسکریت پسندی اور دہشت گردی میں ملوث ہیں، پھر یہ بیان داغا گیا کہ جنوبی پنجاب کے بعض مدارس انتہا پسندی کی تعلیم دیتے ہیں پھر بعض کرائے کی جماعتوں کے ذریعے یہ بھی انکشاف کرایا گیا کہ جنوبی پنجاب کے بعض مدارس میں اسلحہ جمع کیا جارہا ہے اس مرحلہ وار پراپیگنڈہ کے بعد عملی اقدامات کا آغاز ہوا۔

گزشتہ دنوں رونما ہونے والے صرف دو واقعات ہی کی مثال لے لیجئے۔ پہلا واقعہ مدارس میں اسلحہ جمع کرنے کے نام نہاد انکشاف سے صرف چند دن بعد پیش آیا۔ ہمیں ذرائع ابلاغ سے معلوم ہوا کہ ''ڈیرہ غازی خان کے علاقے میں کسی مدرسے سے اسلحے سے بھرا ٹرک پکڑا گیا ہے''۔ یہ اطلاع سن کر ہم پریشان ہو گئے لیکن اس کی صداقت پر یقین کرنے کے لئے دل آمادہ نہیں تھا لیکن بلاتحقیق اسے جھٹلانا بھی مناسب نہ تھا اس لئے ہم نے وفاق المدارس کی طرف سے مفتی خالد محمود کی سربراہی میں ایک تحقیقاتی وفد جائے وقوعہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ مفتی خالد اپنے رفقاء کے ہمراہ اس دور افتادہ اور پسماندہ علاقے میں گئے، وہ کچے کا علاقہ کہلاتا ہے، بڑی مشکل سے مفتی صاحب اور ان کے ساتھی اس جگہ تک پہنچے، ان کا خیال تھا کہ وہاں علماء اور طلباء ہوں گے، درسگاہیں اور لائبریریاں ہوں گی، لیکن ایسا کچھ نہ تھا بلکہ ایک ویران حویلی تھی اور اس کے بارے میں سیکورٹی اداروں کا دعویٰ تھا کہ یہ مدرسہ ہے اور اس سے اسلحہ برآمد ہوا ہے۔ اس ویران حویلی کو مدرسہ ثابت کرنے کے لئے اس کے باہر ''مدرسہ عثمانیہ'' کا بورڈ آویزاں کر دیا گیا تھا۔ پھر ہم نے وفاق المدارس کا ریکارڈ چیک کیا کہ شاید کسی دور میں یہاں کوئی مدرسہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس علاقے میں اس نام کے کسی مدرسہ کا وفاق المدارس سے کبھی الحاق نہیں رہا۔ تاہم پھر بھی ہم نے احتیاطاً دیگر مکاتب فکر کی نمائندہ تنظیموں سے رابطہ کیا اور ان سے پوچھا کہ ''آپ سے وابستہ کوئی ایسا مدرسہ؟'' سب نے انکار کر دیا۔ ہم حیران، الٰہی! ماجرا کیا ہے؟ مدرسہ کسی بورڈ کا نام تو نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی محرابوں والی عمارت کو مدرسہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مدرسہ تو تعلیم و تعلم اور اساتذہ طلباء کا نام ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی چیز وہاں نہیں تھی لیکن اس ویران حویلی کو تواتر سے مدرسہ قرار دیا جا رہا تھا۔

دوسرا واقعہ میاں چنوں میں پیش آیا...... اسے واقعہ سے زیادہ سانحہ قرار دینا مناسب ہوگا۔ یہ واقعہ بذات خود ایک چیستان ہے اور اس کے بارے میں طرح طرح کے سوالات اٹھ رہے ہیں، عوام میں مختلف آراء گردش کر رہی ہیں اور مختلف قسم کی قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں لیکن ہمیں اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا مقصود یہ بتانا ہے کہ وہاں ہونے والے دھماکوں کے فوراً بعد کورس کی شکل میں یہ کہا جانے لگا کہ میاں چنوں کے مدرسہ میں اسلحے کا انبار تھا، وہ پھٹ گیا اور دھماکہ ہو گیا، اس واقعہ میں ''مدرسہ مدرسہ'' کی رٹ اتنی کثرت سے لگائی گئی کہ ہم اس صورتحال کا نوٹس لئے بغیر نہ رہ سکے، دو روز قبل ڈیرہ غازی خان میں ہونے والی واردات بھی ہمارے سامنے تھی اس لئے ہم نے دارالعلوم کبیر والا کے استاذ الحدیث حضرت مولانا حامد حسن کی سربراہی میں وفاق المدارس کا ایک نمائندہ وفد اس معاملے کی چھان بین اور اصل حقائق معلوم کرنے کے لئے بھیجا تو انکشاف ہوا کہ وہاں بھی کوئی مدرسہ نہیں بلکہ یہ مبینہ واقعہ ماسٹر ریاض نامی ایک شخص کے گھر پیش آیا۔ اسے مدرسہ اس لئے قرار دیا گیا کہ ماسٹر ریاض کی ہمشیرہ کے پاس گاؤں کے چند بچے ناظرہ اور قاعدہ پڑھنے آیا کرتے تھے جیسا کہ عموماً دیہاتوں میں ہوتا ہے کہ بعض خواتین گاؤں کے بچوں کو قرآن کریم پڑھا دیا کرتی ہیں اور بس۔ اس کے علاوہ اس گھر میں مدرسہ والی کوئی بات نہیں تھی لیکن اسے مسلسل مدرسہ قرار دیا جا رہا تھا۔ خود ماسٹر ریاض

کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کی مشکوک سرگرمیوں کی وجہ سے اس سے قبل بھی اسے گرفتار کیا گیا لیکن پھر پولیس نے پیسے لے کر اسے رہا کردیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ماسٹر ریاض جو حاضر سروس اسکول ٹیچر ہے اس کی وجہ سے کسی کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ تمام اسکول ٹیچر دہشت گرد ہوتے ہیں، کسی طرف سے اس قسم کا تجزیہ بھی سامنے نہیں آیا کہ وزارت تعلیم نے اس کی ذہن سازی اور برین واشنگ کی، کسی نے بھی پنجاب گورنمنٹ کے ملازم کی اس واردات کی وجہ سے حکومت پنجاب کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا حتیٰ کہ پیسے لے کر اس شخص کو رہا کرنے والی پولیس کی طرف بھی کوئی انگلی نہیں اٹھائی گئی بلکہ پراپیگنڈے کی تمام توپوں کا رخ دینی مدارس کی طرف کردیا گیا۔ یہ امر کس قدر افسوس ناک ہے۔

ان دو واقعات سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ دینی مدارس کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے کس مہارت سے راہ ہموار کی جارہی ہے اور کتنی ہوشیاری سے پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ اس پراپیگنڈہ کے بعد اب عین امتحانات کے دنوں میں جنوبی پنجاب کے مدارس پر چھاپوں کا سلسلہ جاری ہے، امتحان کی تیاری میں مصروف طلبہ وطالبات کو چھاپے مار کر ہراساں کیا جاتا ہے اور انہیں تعلیم کے بنیادی حق سے محروم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں یہ دلچسپ امر بھی پیش نظر رہے کہ وفاقی وزیر داخلہ اے رحمٰن ملک نے خود مجھے فون کر کے اس بات کی وضاحت کی کہ جنوبی پنجاب کے مدارس کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کے بارے میں میری طرف منسوب بیان من گھڑت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ سات ہزار دہشت گرد جنوبی پنجاب میں داخل ہوگئے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں مدارس کے کردار کا معترف ہوں اور میری اطلاعات یہ ہیں کہ دینی مدارس تعلیم کے فروغ کے لئے سرگرم عمل ہیں دہشت گردی میں ملوث نہیں۔ ایک ایسا معاملہ جس پر وفاقی وزیر داخلہ جن کے پاس تمام حساس اداروں کی رپورٹیں جاتی ہیں اور جو امن وامان کے موجودہ حالات میں اصل "صاحب معاملہ" ہیں ان کی وضاحت کے ہوتے ہوئے جنوبی پنجاب کے مدارس کے خلاف آپریشن اور چھاپوں کا سلسلہ انتہائی ناقابل فہم ہے! اسی طرح پنجاب حکومت کی طرف سے بھی جنوبی پنجاب اور وہاں کے دینی مدارس کے بارے میں اس تاثر کی بار بار نفی کی جاتی ہے بلکہ آئی جی پنجاب طارق سلیم ڈوگر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ "مفاد پرست عناصر جنوبی پنجاب کے مدارس کو بدنام کررہے ہیں، لوگ مدارس میں دین اور قرآن کی تعلیم حاصل کررہے ہیں دہشت گردی کے بارے میں مبالغہ آرائی کی جارہی ہے" اب آپ ہی بتائیے کہ کس کی بات پر یقین کیا جائے؟

اس وقت پاکستانی عوام، جنوبی پنجاب کے مدارس کے خلاف جاری پراپیگنڈے اور اقدامات کو جنوبی پنجاب کے بارے میں غیر ملکی سفارت کار کی وساطت سے بعض مغربی ممالک کی تشویش کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ یہ سب محض ایک ٹیسٹ کیس اور نقطہ آغاز ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مغربی ممالک کی تشویش کا دینی مدارس سے زیادہ کسی اور معاملے سے تعلق ہے۔ بہرحال ایسے میں حکومت، قومی سلامتی کے اداروں، مذہبی طبقے اور عوام کو ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ہوگا اور دین اسلام، وطن عزیز اور دینی مدارس کے خلاف ہر سازش کو ناکام بنانا ہوگا۔